قرآن مجید کی نظر میں مسلمانوں کی قومی اور نسلی شناخت

The National and Ethnic Identity of Muslims in the Light of the Holy Quran

Fasahat Hussain
Ph.D Scholar; Quran and Social Sciences; Al Mustafa International University Qom, Iran.
E-mail: husain.fasahat@gmail.com

Dr. Muhammad Dadsarisht
Assist Prof; Quran and Humanities; Al Mustafa International University Qom, Iran.
E-mail: mhdadseresht@gmail.com

Fazil Hisami
Assist Prof; Quran and Humanities; Al Mustafa International University Qom, Iran.
E-mail: fhesami@gmail.com

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Abstract:

This article examines the criteria on which different groups of people usually find a common national identity, and examines the issues that the Holy Quran introduces as factors for a common identity of Muslims. According to the author, a common national identity relationship is usually established between people on the basis of a common ancestry, culture, region and homeland. Sometimes it also happens that people are connected to each other under a conscious or unconscious decision, due to a common society, culture, religion, language, customs and values.

Anyhow, sometimes this same identity also prevents people from being included in a larger identity with others outside their specific circle. This is why a nationality formed solely on the basis of a shared society, culture, religion, language, customs, or values becomes a challenge to any broader identity by connecting people with a limited sense of

belonging. The thesis of the present paper is that the Quran establishes a broad national identity among mankind and brings people out of small ethnic, linguistic, cultural and social groups and makes them members of one nation. This paper examines in detail what is the strategy of the Holy Quran to create a common identity among all mankind?

The authors argue that the Holy Quran's strategy in this regard has two fundamental pillars: **First**, that the Quran counteracts the negative effects of racism by harnessing all forms of racism to foster higher human and moral values. **Second**, that the Quran harnesses the natural tendencies of race, language, and patriotism in the service of higher moral values.

Under this strategy, the Holy Quran, on the one hand, invites the individuals of mankind to always follow and support the truth in all their loyalties and tendencies, instead of ethnic, linguistic and regional affiliations. In this matter, the Quran, by making the following of pure rational considerations the criterion instead of human feelings and emotions, asks the question: should one follow the one who calls to the truth or should one follow the one who does not even recognize the truth? Therefore, the Quran prohibits blind imitation of ancestors and people of the nation, tribe or country.

On the other hand, the Holy Quran considers all human beings as descendants of Adam (peace be upon him) and thus establishes an international identity; where small identities exist only for the sake of life, recognition and ease in dealings. Also, the Quran establishes standards of superiority, excellence and solidarity that allow all human beings to have a broader identity. For example, declaring piety, jihad, knowledge, faith, and righteous actions as the standards of excellence, and establishing an atmosphere of brotherhood and sisterhood among believers, declaring the sub-identities of humans as a case for their single identity.

Keywords: identity, mankind, society, apartheid, patriotism, Quran, ummah.

خلاصہ

یہ مقالہ ان معیارات کا جائزہ لینے کے ضمن میں جن پر معمولا لوگوں کے مختلف گروہ ایک مشترکہ قومی شناخت پا لیتے ہیں، ان امور کا جائزہ لیتا ہے جو قرآن کریم مسلمانوں کی ایک مشترکہ شناخت کے عوامل کے طور پر متعارف کرواتا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق، عام طورپر کسی مشترکہ نسب، ثقافت علاقے اور وطن کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان مشترکہ قومی شناخت کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ کسی شعوری یا لاشعوری قرارداد کے تحت، کسی مشترکہ سماج، ثقافت، دین، زبان، رسم ورواج اور اقدار کی وجہ سے باہم جڑ جاتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ان کی یہی شناخت، اس امر کا بھی موجب بن جاتی ہے کہ لوگ اپنے مخصوص دائرہ سے باہر کے دیگر افراد کے ساتھ کسی بڑی شناخت کے دائرے میں نہ سما سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ محض کسی مشترکہ سماج، ثقافت، دین، زبان، رسم ورواج یا اقدار کی بنیاد پر تشکیل شدہ قومیت لوگوں کو تعلق کے ایک محدود احساس سے جوڑتے ہوئے ہر وسیع تر شناخت کے لیے چیلنج بن جاتی ہے۔

پیش نظر مقالہ کا مدعا یہ ہے کہ قرآن، بنی نوع بشر کے درمیان ایک وسیع ترین قومی شناخت قائم کرتا ہے اور لوگوں کو چھوٹے چھوٹے نسلی، لسانی، تہذیبی اور سماجی گروہوں سے نکال کر ایک امت کا فرد بنا دیتا ہے۔ یہ مقالہ پوری تفصیل سے اس امر کا جائزہ لیتا ہے کہ بنی نوع بشر کے تمام افراد کے درمیان ایک مشترکہ شناخت ایجاد کرنے کے لئے قرآن کریم کی حکمت عملی کیا ہے؟ مقالہ نگار مدعی ہیں کہ اس حوالے سے قرآن کریم کی حکمت عملی کے دو بنیادی ستون ہیں: ایک، یہ کہ قرآن، ہر قسم کی نسل پرستی کے جذبے کو اعلیٰ انسانی اور اخلاقی اقدار کی پرورش کے لئے استعمال میں لاتے ہوئے نسل پرستی کے منفی اثرات کا سدّ باب کرتا ہے۔ دوسرا، یہ کہ قرآن، نسل، لسان اور وطن پرستی کے طبیعی تمایلات کو اعلیٰ اخلاقی اقدار کی خدمت میں بروئے کار لاتا ہے۔

اپنی اس حکمتِ عملی کے تحت، قرآن کریم ایک طرف بنی نوع بشر کے افراد کو اپنی تمام تر وفاداریوں اور رجحانات میں نسلی، لسانی اور علاقائی وابستگیوں کی بجائے، ہمیشہ حق کی پیروی اور حق کا ساتھ دینے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن اس معاملے میں انسانی احساسات و عواطف کی جگہ خالص عقلی تاملات کے پیروی کو معیار قرار دیتے ہوئے یہ سوال پوچھتا ہے کہ آیا جو حق کی طرف بلاتا ہے، اس کی پیروری کرنی چاہیے یا جو حق کی شناخت ہی نہیں رکھتا، اس کے پیچھے چلا جائے؟ لہٰذا قرآن آباء واجداد اور قوم، قبیلے یا اہل وطن کی اندھی تقلید سے منع کرتا ہے۔

دوسری طرف قرآن کریم، بنی نوع بشر کے تمام افراد کو صرف آدم علیہ السلام کی اولاد قرار دیتا اور یوں ایک بین الاقوامی شناخت قائم کرتا ہے؛ جہاں چھوٹی شناختیں محض جان، پہچان اور معاملات میں آسانی کی خاطر وجود رکھتی

ہیں۔ نیز قرآن، برتری، فضیلت اور پیوستگی کے وہ معیار قائم کرتا ہے جو بنی نوع بشر کے تمام افراد کو وسیع تر شناخت میں پرو دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر تقویٰ، جہاد، علم اور ایمان و صالح عمل کو معیارِ فضیلت قرار دینا اور مومنین کے درمیان اخوت اور بھائی چارگی کی فضا قائم کرتے ہوئے انسان کی ذیلی شناختوں کو ان کی ایک واحدہ شناخت کا مقدمہ قرار دینا۔

کلیدی الفاظ: شناخت، بنی نوع بشر، سماج، نسل پرسی، وطن پرستی، قرآن، امت۔

1. موضوع کا تعارف

عموماً انسانی معاشرے محض ایک غالب ثقافت تک محدود نہیں ہوتے بلکہ ان میں مختلف ذیلی ثقافتیں بھی پائی جاتی ہیں، جنہیں قومیتوں کے عنوان سے پہچانا جاتا ہے۔ کسی فرد کا کسی مخصوص لسانی یا علاقائی قومیت سے وابستہ ہونا اُس کی سماجی شناخت (Social Identity) کی ایک خاص شکل یعنی قومی اور نسلی شناخت (Ethnic Identity) کی تشکیل کرتا ہے۔ یہ ذیلی شناختیں ایک جانب، ثقافتی تنوع اور مختلف قومی شناختیں معاشرتی تحرّک اور فکری و تہذیبی جدّت کا محرّک بن سکتی ہیں تو دوسری جانب یہی تنوع، بعض اوقات لوگوں کی ایک جامع شناخت میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کا ثقافتی تنوع، جہاں ان کی فکری، تہذیبی جدّت کا موجب ہے، وہاں، یہ مسلموں کی بحیثیت ایک امت واحدہ شناخت میں رکاوٹ بن سکتا ہے؛ کیونکہ شناختی وابستگیوں کی کثرت، وحدت پر مبنی شناختی نظام سے متصادم ہو سکتی ہے، جسے اُمت کی سطح پر تشکیل دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جس طرح ممکن ہے بعض معاشروں میں بلوچ، ہزارہ، پشتون وغیرہ جیسی نسلی اور قومی شناختیں، امت مسلمہ کی سماجی شناخت کے ساتھ متصادم ہو جائیں۔

قرآن مجید مسلمانوں کے مابین اتحاد اور یکجہتی کے قیام کے لیے اُنہیں امت کی سطح پر ایک خاص قسم کی سماجی شناخت کی جانب دعوت دیتا ہے۔اس لحاظ سے، مختلف شناختوں سے وابستگی مسلمانوں کی اس اجتماعی شناخت کو متاثر کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ بعض افراد اس ممکنہ نقصان سے نجات کے لیے، ذیلی شناختوں—بالخصوص نسلی، قومی اور قبائلی شناخت — کی تضعیف یا ان کے کلی انحلال کو ایک موزوں حل قرار دیتے ہیں، اور اپنے اس موقف کو دین کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔

یہ مقالہ قرآن مجید کی روشنی میں نسلی شناخت اور امتِ اسلامی کے باہمی تعلق کا تجزیاتی جائزہ پیش کرتا ہے، اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ قرآن حکیم ان ممکنہ شناختی تصادمات سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے نہ صرف رہنما اصول وضع کرتا ہے بلکہ ان کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے ایک نئی اور امت کے تصور سے ہم آہنگ نسلی شناخت کی تشکیل کا نظریہ بھی پیش کرتا ہے۔

2. قوم اور نسل کی تعریف

لفظ "قوم" مادہ "ق۔و۔م" سے مشتق ہے جس کے معنی سیدھا کرنا، مستحکم کرنا اور کام کو انجام دینے کے ہیں۔[1] یہ لفظ افراد کے کسی گروہ یا کسی شخص کے قریبی رشتہ داروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔[2] سماجی علوم کے ماہرین قوم کی تعریف ایسی انسانی آبادی کے طور پر کرتے ہیں جو درج ذیل خصوصیات کی حامل ہو:

- حقیقی یا افسانوی اجداد کا مشترک ہونا۔
- اجتماعی یادداشتیں۔
- ثقافتی عناصر جیسے مشترکہ زبان، رسوم و رواج اور اقدار۔
- کسی خطۂ زمین سے تاریخی وابستگی۔[3]

قومی گروہ کی ان خصوصیات کے پیشِ نظر ـــ جن میں مشترکہ حقیقی یا افسانوی اجداد، اجتماعی یادداشتیں، ثقافتی عناصر جیسے زبان، رسوم و رواج، مشترکہ اقدار اور تاریخی سرزمین سے وابستگی شامل ہیں ـــ قومیت اور ملیت کبھی مشترک ہو سکتی ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے الگ بھی ہو سکتی ہیں۔ کسی قوم کے افراد کے حقیقی یا افسانوی اجداد مشترک ہوتے ہیں، جبکہ کسی ملیت کے حاملین کے اجداد مشترک نہیں ہوتے۔ کسی قومی گروہ کے بعض افراد کسی ملیت کے حاملین کے ساتھ مشترکہ سرزمین رکھ سکتے ہیں، جبکہ بعض دوسرے خطوں میں بھی آباد ہو سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر، بلوچوں کا ایک حصہ پاکستان میں رہتا ہے، جبکہ اسی قومی گروہ کے کچھ افراد ایران میں آباد ہیں۔ اس طرح، وہ ایک دوسرے کے ساتھ مشترکہ علاقے میں تو ہیں، لیکن بعض دوسری ملیتوں کے ساتھ بھی زمینی اشتراک رکھتے ہیں۔

دوسری اقوام کے ساتھ مشترکہ سرزمین، جو ایک ہی ملیت سے تعلق رکھتی ہوں، اجتماعی یادداشتوں اور ثقافتی عناصر جیسے زبان، رسوم و رواج اور مشترکہ اقدار کو بھی جنم دیتی ہے۔ مثلاً، کرد قوم کے تمام افراد نہ صرف اپنی اجتماعی یادداشتوں اور مشترکہ ثقافتی عناصر کے حامل ہیں بلکہ دوسری اقوام کے ساتھ بھی کچھ مشترکات رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایرانی کرد فارسی زبان کے حوالے سے ایرانیوں کے ساتھ مشترک ہیں، جبکہ عراقی کردوں کا ایرانیوں یا دیگر ایرانی اقوام کے ساتھ ایسا کوئی زبانی اشتراک نہیں ہے۔

3. شناخت کا تصور

شناخت جسے ہویت بھی کہا جاتا ہے، عربی زبان کے ضمیر "ہو" (وہ) سے نکلا ہے جس میں مصدر بنانے والا "یت" لاحقہ لگا ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کا مطلب "وہ ہونا" یا "اس کا ہونا" ہے۔[4] انگریزی میں اسے "Identity"

کہتے ہیں جو کسی فرد یا گروہ کی انفرادی یا اجتماعی خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے۔[5]
سماجیات کے میدان میں ہویت کو محض انفرادی شناخت تک محدود نہیں سمجھا جاتا۔ در حقیقت، ہویت کا تصور ہی تب وجود میں آتا ہے جب فرد کا تعلق دوسروں سے قائم ہو۔ یہ تصور دو متضاد مگر لازم و ملزوم پہلوؤں پر مشتمل ہے: ایک طرف تو تشابہ (Similarity) ہے یعنی کچھ افراد کے ساتھ مشترکات کا ہونا، اور دوسری طرف تمایز (Difference) یعنی کچھ افراد سے مختلف ہونا۔[6] مثال کے طور پر، جب ہم کسی شخص کی ہویت کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص بعض لوگوں سے مماثلتیں رکھتا ہے جبکہ بعض دوسروں سے اس کے فرق بھی واضح ہوتے ہیں۔ یہی دوہرا پہلو ہویت اور شناخت کو معنی بخشتا ہے۔

4. سماجی شناخت کا نظریہ (Social Identity Theory)

تاجفل (Tajfel) نے 1978ء میں سماجی ہویت کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کیا۔ تاجفل سماجی ہویت (Social Identity) کو گروہی رکنیت سے جوڑتا ہے۔ اس کے نزدیک سماجی ہویت وہ شناخت ہے جو گروہی رکنیت (Group Membership) سے نشأت پاتی ہے۔ لہٰذا سماجی ہویت کی تشکیل کو سمجھنے کے لیے سماجی میدان میں دوسروں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کو سمجھنا ضروری ہے۔
معاشرے میں افراد اپنے سماجی مرتبے (Social Status) اور قدرت و طاقت (Power) کے مطابق ایک دوسرے سے روابط قائم کرتے ہیں، اور گروہ (Groups) یہ کام بخوبی انجام دیتے ہیں۔ افراد اپنے گروہ کی برتری ظاہر کرنے کے لیے اپنے گروہ کا دوسرے گروہوں سے موازنہ کرتے ہیں اور اپنے گروہ کی فوقیت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی عمل کے ذریعے کچھ افراد "گروہ کے اندر والے" (In-group) "اور کچھ" گروہ کے باہر والے" (Out-group) کہلاتے ہیں۔ تاجفل اس عمل کو "سماجی درجہ بندی (Social Categorization) " کا نام دیتا ہے۔ تاجفل کے نظریے کے مطابق سماجی شناخت اس وقت وجود میں آتی ہے جب فرد خود کو "گروہ کے اندر والے" اور "گروہ کے باہر والے" کی درجہ بندی کے ذریعے پہچانتا ہے۔[7]

5. نسلی اور قومی ہویت (Ethnic Identity)

قومیت (Ethnicity) ان اہم عناصر میں سے ہے جن سے انسانوں کو وابستگی کا احساس ہوتا ہے۔ کسی قومی گروہ سے تعلق کا احساس (Sense of Belonging) انہیں بتاتا ہے کہ وہ قومی اعتبار سے کیا ہیں، کیا نہیں ہیں، دوسرے کون ہیں اور ان سے کس طرح مختلف ہیں۔ اس طرح کسی قومیت سے وابستگی معاشرے کے افراد کی درجہ بندی (Classification) اور شناخت کا اہم ذریعہ بن جاتی ہے۔ شناخت (Identity) جو بنیادی طور پر

افراد اور گروہوں کو پہچاننے اور ان میں امتیاز پیدا کرنے پر زور دیتی ہے، قومیت سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ قومیتیں سماجی شناخت (Social Identity) کی ایک قسم یعنی نسلی اور قومی ہویت (Ethnic Identity) کو جنم دیتی ہیں۔

قومی شناخت عام طور پر ان گروہی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتی ہے جو ثقافتی ہم آہنگی کے رشتوں کے ذریعے معاشرے کے افراد کو باہم جوڑتی ہیں۔ کسی قومی گروہ کے ارکان مشترکہ اقدار، روایات، لباس، مذہب اور زبان کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔[8] فینی (Phinney) کے نظریے کے مطابق قومی ہویت فرد کے کسی قومی گروہ سے تعلق کے احساس (Feeling of Belonging) کو کہتے ہیں، جس کی اپنی مخصوص ثقافتی علامات، اقدار اور رویے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں کسی قوم کے ارکان خود کو ثقافتی اور اقداری اعتبار سے دوسرے قومی گروہوں سے ممتاز سمجھتے ہیں، جبکہ دوسرے بھی اس امتیاز کو محسوس کرتے ہیں اور ان دونوں گروہوں کو الگ الگ قومیں سمجھتے ہیں۔[9] قومی شناخت دیگر شناختوں کی طرح انسانوں کے نقطہ نظر اور ان کے انفرادی و سماجی رویوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

6. قرآن کریم کی روشنی میں قوم پرستی

قوم پرستی (Ethnocentrism) سے مراد اپنے قومی گروہ سے اس درجہ تعصب رکھنا ہے کہ فرد بہرصورت اپنی قوم کے اقدار، عقائد اور رسم و رواج کو دیگر اقوام کے مقابلے میں فوقیت دینے لگتا ہے۔ ایسا شخص اپنی قومی ثقافت (Ethnic Culture) کو دیگر ثقافتوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا واحد معیار سمجھتا ہے اور ان کے متعلق منفی رائے قائم کرتا ہے۔[10] ایسے فرد کا دوسری قوموں کی اقدار اور عقائد کا اپنی قومی اقدار اور عقائد سے موازنہ کرتے وقت حقائق، صداقت یا معروضی پیمانے (Objective Standards) سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس کا واحد معیار اپنے قومی گروہ سے وابستگی ہوتی ہے اور وہ ہر حال میں اپنی قوم اور نسل کو دوسروں سے برتر سمجھتا ہے۔

قرآن مجید متعدد انبیاء کی اقوام کا تذکرہ کرتا ہے جن کے عقائد و اعمال پر قوم پرستانہ ذہنیت حاوی تھی۔ ان میں سے ایک یہودی قوم تھی جو اس باطل عقیدے پر کاربند تھی کہ وہ دنیا میں جو چاہیں کریں، آخرت کی سعادت سے محروم نہیں ہوں گے، کیونکہ حتمی کامیابی صرف انہی کے لیے مخصوص ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت صرف انہی کے لیے خاص ہے اور وہی اس کے برگزیدہ فرزند ہیں۔

یہ مسئلہ صرف ایک دو اقوام تک محدود نہیں تھا۔ قرآن کریم کے بیان کے مطابق، تمام الٰہی رہنماؤں کو قوم پرستی (Ethnocentrism) کے مسئلے کا سامنا رہا، جس کا ایک واضح مظہر اپنے آباء و اجداد کی کورانہ تقلید تھا۔ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتا ہے: وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ (23:43) ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے آپؐ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبرؑ) نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں آسودہ حال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم تو انہی کے نقوشِ پا کی پیروی کر رہے ہیں۔"

قرآن مجید متعدد مقامات پر اُن اقوام کے ایمان نہ لانے کی بنیادی وجہ بیان کرتا ہے جو اپنے آپ کو، اپنے عقائد اور اپنی قومی روایات کو دوسروں سے برتر سمجھتی تھیں۔ یہی بے جا قومی تفاخر انہیں انبیاء کی دعوت قبول کرنے سے روک دیتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے حق کی دعوت پر واضح رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا: قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا (7:70) ترجمہ: "انہوں نے کہا (اے ہودؑ) کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے چلے آئے ہیں۔" انبیاء کرام ان اقوام کو واضح طور پر بتاتے تھے کہ وہ ایک ایسا پیغام لے کر آئے ہیں جو ان کے آباء واجداد کے طریقوں سے کہیں بہتر، حق پر مبنی اور ابدی سعادت کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔ لیکن قوم پرستی کی گہری جڑیں انہیں اس پیغام کو قبول کرنے سے روک دیتی تھیں، بلکہ وہ صاف انکار اور کفر پر اتر آتے تھے۔

قوم پرستی کو "عصبیت" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ "عصب" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہڈیوں کو جوڑنے والی رگوں (Connective Tissues) کے ہیں۔ اسی مناسبت سے رشتہ داری اور قومی وابستگی کے جذبات کو "عصبیت" کہا جاتا ہے، خاص طور پر باپ کی طرف سے نسبی تعلق کو اس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[11]

اہل بیتؑ کی تعلیمات میں غیر منصفانہ قومی و قبائلی تعصب (Ethnic and Tribal Prejudice) کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ حَبَّةٌ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ عَصَبِيَّةٍ بَعَثَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ أَعْرَابِ الْجَاهِلِيَّةِ.**[12] "جو شخص اپنے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تعصب رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن جاہلیت کے اعراب کے ساتھ اٹھائے گا۔"

امام علی علیہ السلام نے اپنے مشہور خطبہ "قاصعہ" میں قوم پرستی (Ethnocentrism) اور قبائلیت (Tribalism) کی واضح مذمت فرمائی ہے۔ مورخین کے مطابق، امامؑ کے دور خلافت کے آخری ایام میں کوفہ کے باشندے مختلف قبائلی مفاسد میں مبتلا ہو گئے تھے، جن میں قبائلی تفاخر اور برتری جوئی نمایاں تھی۔ یہ صورت حال شدید اختلافات اور خونریزی کا باعث بنی۔ امامؑ نے اس سماجی بگاڑ کے خلاف خطبہ قاصعہ ارشاد فرمایا۔[13]

امام خمینیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ عصبیت (Tribal Bigotry) ایک مذموم نفسانی خصلت ہے جس کا ظاہری اثر رشتہ داروں اور وابستگان کی غیر منصفانہ حمایت کرنا ہے، خواہ یہ تعلق مذہبی ہو،

نظریاتی ہو یا وطنی۔[14] قوم پرستی کو ناپسندیدہ قرار دیے جانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ عنصر انسانی ہم آہنگی، بالخصوص مسلمانوں کے مابین اتحاد کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ چونکہ قوم پرستی میں بنیادی توجہ اپنی قوم کے افراد کے درمیان ہم بستگی پر مرکوز ہوتی ہے، اور "دوسروں" (The others) کے ساتھ اتحاد اور یکجہتی کی اہمیت یا تو نظرانداز کر دی جاتی ہے یا بعض اوقات اس کے برعکس عمل کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید جو نہ صرف مسلمانوں کو ایک واحد امت میں تبدیل کرنے کا خواہاں ہے بلکہ خدائے واحد پر ایمان رکھنے والے سارے انسانوں کو ایک پرچم تلے جمع ہونے کی تلقین کرتا ہے، کس طرح مسلمانوں کے درمیان قومی شناختوں کی بنیاد پر پیدا ہونے والے اختلافات کو برداشت کر سکتا ہے؟

7. قرآن کریم کی روشنی میں مسلمانوں کی قومی شناخت

قرآن کریم میں قوم پرستی کے منفی اثرات، جیسے انبیاء کی تکذیب، حق کے انکار، اور دیگر اقوام کی تحقیر کو دیکھتے ہوئے یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا یہ الٰہی کتاب مسلمانوں سے اپنی قومی شناخت سے مکمل طور پر دستبردار ہونے کا مطالبہ کرتی ہے؟ جب ہم قرآن مجید میں قوموں کے متعلق قرآن مجید کی آیات دیکھتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ ملتا ہے کہ قرآن قومی اور قبائلی شناخت کو انسانی زندگی کی ایک فطری اور اہم حقیقت کے طور پر دیکھتا ہے۔ اسی بنیاد پر قرآن مجید میں مختلف اقوام، جیسے قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم لوط، قوم یہود، قوم ثمود، قوم عاد، قوم یونس، قوم تُبّع اور دیگر تاریخی اقوام کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے، اور انہیں انسانی تنوع کا ایک معتبر حصہ تسلیم کیا گیا ہے۔

صدر اسلام میں بھی اسلامی معاشرے میں مختلف قومیں اور قبائلی گروہ موجود تھے، جیسے مکہ میں قبیلہ قریش، یثرب (مدینہ) میں اوس و خزرج، طائف میں قبیلہ ثقیف اور دیگر قبائل؛ لیکن رسول اکرمؐ نے ان قبائلی اور قومیتی شناختوں کی مکمل نفی نہیں کی۔ اس لیے قرآن مجید نہ تو قومی شناخت کو کلی طور پر رد کرتا ہے اور نہ ہی مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی قومی وابستگیوں سے مکمل طور پر دستبردار ہو جائیں۔ درحقیقت، قرآن مجید جس چیز کی نفی کرتا ہے وہ قوم پرستی کے منفی پہلو ہیں۔ قومی شناخت کو ایک فطری حقیقت کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے، قرآن کریم نئی شناخت کی تشکیل کے لیے دو طریقہ کار تجویز کرتا ہے:

پہلا طریقہ کار: قوم پرستی کے منفی پہلوؤں کی اصلاح کرنا۔

دوسرا طریقہ کار: قوم پرستی کی صلاحیتوں کو اعلیٰ اقدار کی راہ میں استعمال کرنا۔

7.1 پہلا طریقہ کار: قوم پرستی کے منفی پہلوؤں کی اصلاح

قوم پرستی کے منفی پہلوؤں کی اصلاح کے متعلق بات کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآن کریم انسانی رویوں اور رجحانات کو اس کے افکار و نظریات کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اس لیے، رویوں اور رجحانات میں تبدیلی

لانے کے لیے اس کے افکار و نظریات میں تبدیلی لانی ضروری ہے۔ قوم پرستی کے منفی پہلوؤں سے مقابلے کے معاملے میں بھی قرآن انسان کے نقطہ نظر کو بدلتا ہے اور اس طرح اسے قومیت کے متعلق ناجائز تعصب چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ بنیادی نظریات جن کو قرآن کریم قوم پرستی کی اصلاح کے لیے پیش کرتا ہے، مندرجہ ذیل ہیں:

7.1.1) حق و حقیقت کے وجود پر ایمان

اگر قومی اور نسلی تعصّبات کا تجزیہ کیا جائے، تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو لوگ اس قسم کے تعصّبات میں گرفتار ہیں، وہ یا تو یہ مانتے ہی نہیں کہ "حق و حقیقت" کے نام سے کوئی چیز موجود ہے جس کے مطابق اپنے عقائد، رجحانات، اقدار اور معیارات کو پرکھا جائے اور اگر وہ حق کے موافق ہوں تو قبول کیا جائے اور اگر مخالف ہوں تو رد کردیا جائے۔ یا پھر وہ جانتے تو ہیں کہ حق کا تصور موجود ہے، لیکن اسے اہم نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے، جب ان کے سامنے انبیا کا پیام یا کوئی نیا نظریہ آتا ہے، تو وہ اسے صرف اس لحاظ سے پرکھتے ہیں کہ آیا وہ ان کی قومی یا نسلی ثقافت سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر نیا پیام ان کے قومی کلچر سے ہم آہنگ ہو تو اسے قبول کرلیتے ہیں، اور اگر متصادم ہو تو رد کردیتے ہیں، چاہے وہ پیام حق پر مبنی ہو یا نہ ہو۔ مثال کے طور پر، جاہلیت کے دور کے عربوں میں عرب قومیت کا تعصب اس حد تک تھا کہ اگر قرآن کسی غیر عرب پر نازل ہوا ہوتا، تو بہت سے جاہلی عرب صرف اس بنیاد پر اس پر ایمان نہ لاتے۔

لہٰذا قرآن کریم سب سے پہلے اس بنیادی غلط فہمی کی اصلاح کرتا ہے اور انہیں باور کراتا ہے کہ اس کائنات میں ایک مسلّم حقیقت موجود ہے جس کے مطابق تمام انسانوں کو اپنے عقائد، رجحانات اور اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ کسی بات کو پرکھنے کا معیار قومی مفادات یا رسم و رواج نہیں، بلکہ اس کا حق کے ساتھ مطابقت رکھنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ (108:10) ترجمہ: "(اے رسول) کہہ دیجئے! اے لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے حق آچکا ہے پس جو ہدایت حاصل کرے گا تو وہ اپنے فائدہ کے لئے کرے گا اور جو گمراہ ہو گا اس کا نقصان بھی اسی کو ہو گا میں تم پر نگہبان و نگران نہیں ہوں۔"

خواہ "حق" سے مراد خود قرآن کریم ہو یا اس کے احکام، شرائع اور دیگر دینی تعلیمات[15]، اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لیے "حق" کی تعبیر استعمال فرمائی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہیں قبول کرنا اس بنیاد پر ضروری ہے کہ یہ سراسر حق پر مبنی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو کوئی ان پر ایمان لائے گا در حقیقت اپنے ہی فائدے کے لیے ایسا کرے گا، اور جو انکار کرے گا وہ اپنے ہی نقصان کا باعث ہو گا۔

قرآن کریم یہودیوں کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ، تو ان کا قوم پرستانہ تعصب انہیں ایمان لانے سے روک دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "ہم صرف اسی چیز

پر ایمان لائیں گے جو یہودی قوم پر نازل ہوئی ہو۔" اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ جس چیز کی طرف ان کو بلایا جارہا ہے وہ حق ہے، کوئی اور چیز نہیں۔ یعنی جب حق کامعاملہ پیش آئے تو قومی اور نسلی مسائل پر توجہ نہیں دینی چاہیے، اور نہ ہی قومی تعصّبات کو حق کے انکار کا بہانہ بنانا چاہیے۔

قرآن کریم کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات، آسمانوں اور زمین کی تخلیق، آسمانی کتابوں کے نزول اور دیگر امور کو "حق" قرار دیا ہے، جو اس امر کی اہمیت کو واضح کرتا ہے کہ یہ نظریہ قرآن کے تصور کائنات میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق حق کے مقابلے میں باطل موجود ہے جس سے بچناچاہیے اور اس پر ایمان نہیں لانا چاہیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر حق اور باطل کو ایک دوسرے کے مقابل بیان فرمایا ہے تاکہ لوگ ان کے درمیان فرق سمجھ سکیں اور ہر ایک کی خصوصیات کو پہچان سکیں۔ ایک مقام پر ارشاد ہے: ذَلِكَ بِأَنَّ اللهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ (62:22) ترجمہ: "اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ہی حق ہے۔ اور اس کے علاوہ جسے وہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔"

یہ آیات اور ان کا بنیادی پیام کہ اس دنیا میں حق نام کی ایک حقیقت موجود ہے جسے قبول کرنا ضروری ہے، ہر اس شخص کو جو نسلی یا قبائلی وابستگی رکھتا ہے یہ پیغام دیتا ہے کہ یہ وابستگیاں صرف اسی حد تک درست ہیں جب تک کہ حق کے خلاف نہ ہوں۔ لہٰذا لوگوں کو اپنے قومی عقائد واقدار کے ساتھ ساتھ دوسری اقوام کے عقائد واقدار کو بھی اسی معیار پر پرکھنا چاہئے، تاکہ جو کچھ حق ہو اسے قبول کریں اور جو باطل ہو اس سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔

7.1.2) قوم پرستی کے ناپسندیدہ اثرات کی جانب توجہ دلانا

قرآن کریم بعض مقامات پر قوم پرستی کے ناپسندیدہ اثرات کو بیان کرتا ہے اور ایسے نتائج ذکر کرتا ہے جنہیں ہر صاحب عقل آسانی سے غلط تسلیم کرلے گا۔ مثال کے طور پر، جو لوگ انبیاء کے مقابلے میں کہتے تھے کہ "ہم تو اپنے آباء واجداد کی پیروی کریں گے"، قرآن ان سے پوچھتا ہے: کیا تم ان کی اندھی تقلید کروگے چاہے وہ نہ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پائے ہوں؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللّهُ قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ (2:170) ترجمہ: "اور جب ان (کفارو مشرکین) سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ، دادا کو پایا ہے اگرچہ ان کے باپ، دادا بے عقل ہوں اور راہ راست پر بھی نہ ہوں (تو پھر بھی انہی کی پیروی کریں گے)۔

قوم پرستی کے دیگر اثرات میں سے ایک دوسروں کے حقوق کی پامالی جیسے امانت میں خیانت کرنا ہے، جو انسانی ضمیر کے نزدیک ناپسندیدہ اور بدیہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض انسانوں میں قوم پرستی کی رجحان کی وجہ سے امانت میں خیانت اور دوسروں کے حقوق ضائع کرنے جیسے ناپسندیدہ اعمال کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے:

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لاَّ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلاَّ مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُواْ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ (3:75) ترجمہ: "اور اہل کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم ڈھیر بھر روپیہ بھی بطور امانت اس کے پاس رکھو تو وہ تمہیں ادا کر دے گا۔ اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر اس کے پاس ایک دینار (اشرفی) بھی بطور امانت رکھو تو جب تک تم اس کے سر پر کھڑے نہ رہو وہ تمہیں واپس نہیں کرے گا (یہ بدمعاملگی) اس وجہ سے ہے کہ ان کا قول ہے کہ ہم پر امیّون (ان پڑھ عربوں جو کہ اہل کتاب نہیں) کے بارے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ منڈھتے ہیں۔

7.1.3) تمام انسانوں کی اصل کا ایک ہونا

قوم پرستی کا بنیادی جذبہ اپنی قوم کے افراد سے رشتہ داری کا احساس ہے۔ ایک قوم کا فرد دوسرے افراد کو اپنا سمجھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان کا نسل اور نسب ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جذبے کو بذات خود ناپسند نہیں کرتا، بلکہ فرماتا ہے کہ جن لوگوں سے انسان کا نسبی تعلق ہے ان کا دائرہ صرف ایک قوم تک محدود نہیں تمام انسان خواہ کسی بھی قوم یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں، ایک ہی اصل سے ہیں۔ خداوند عالم سورہ نساء کی پہلی آیت میں ارشاد فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (4:1) ترجمہ: "(اے انسانو!) اپنے اس پروردگار سے ڈرو۔ جس نے تمہیں ایک متنفس سے پیدا کیا اور اس کا جوڑا بھی اسی سے (اس کی جنس سے) پیدا کیا اور پھر انہی دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور رشتہ قرابت کے بارے میں بھی ڈرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر حاضر و ناظر ہے۔"

7.1.4) چھوٹے سماجی گروہوں میں تقسیم کا ہدف بیان کرنا

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف قوموں، قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے قوم پرستی کے منفی رجحانات کو ختم کرنے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ اس تقسیم کا مقصد کسی کو دوسرے پر فوقیت دینا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ مختلف گروہ اور قبیلے ایک دوسرے کو پہچانیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا (13:49) ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد (آدمؑ) اور ایک عورت (حوّاؑ) سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز و مکرم وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے یقیناً اللہ بڑا جاننے والا ہے، بڑا باخبر ہے۔"

مفسرین قرآن کریم کے نزدیک آیت میں ذکر شدہ "تعارف" کا مقصد یہ ہے کہ انسان ایک دوسرے کی صلاحیتوں، افکار اور نظریات کو پہچانیں، تاکہ وہ باہمی ضروریات اور انسانی معاشرے کی تکمیل کر سکیں۔[16]

7.1.5) اقوام کی برتری کا معیار بیان کرنا

قوم پرستی انسان کے ذہن میں ایک ایسی سوچ پیدا کر دیتی ہے جس کے تحت وہ افراد اور اقوام کی قدر و قیمت کا تعین صرف ایک معیار سے کرتا ہے۔ یعنی اپنی قوم سے وابستگی۔ جو کچھ اس کی قوم سے تعلق رکھتا ہے وہ بہتر ہے، اور جو اس سے باہر ہے وہ کمتر اور کم تر ہے۔ اس کے بر عکس، قرآن کریم افراد اور اقوام کے جانچنے کے لیے درج ذیل اقدار پیش کرتا ہے:

الف) تقویٰ: قرآن کریم میں اقوام اور گروہوں کے درمیان فضیلت کا ایک اہم معیار "تقویٰ" بیان کیا گیا ہے۔ جو جتنا زیادہ متقی ہو گا، اللہ کے نزدیک اتنا ہی زیادہ قابلِ عزت ہو گا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ (13:49) ترجمہ: "بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز و مکرم وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

ب) جہاد: دوسرا معیارِ فضیلت جہاد ہے۔ قرآن کریم مختلف گروہوں کے مومنوں کا موازنہ کرتے ہوئے انہیں فضیلت دیتا ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَّا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُوْلِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلاًّ وَعَدَ اللّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا (95:4) ترجمہ: "مسلمانوں میں سے بلا عذر گھر میں بیٹھے رہنے والے اور راہِ خدا میں مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو درجہ کے اعتبار سے بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے اور یوں تو اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ مگر اس نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم کے ساتھ فضیلت دی ہے۔"

ج) علم: علم بھی انسانوں کے درمیان فضیلت کا ایک اہم معیار ہے۔ یہ معیار اتنا واضح اور بدیہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عام خبر کے طور پر بیان نہیں کیا، بلکہ استفہام انکاری کے ذریعے عالم اور جاہل کے برابر ہونے کے تصور کو غلط قرار دیا ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ (9:39) ترجمہ: "کہیے کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو صرف صاحبانِ عقل ہی حاصل کرتے ہیں۔"

د) ایمان اور عمل صالح: انسانوں، اقوام اور قبائل کے درمیان فضیلت کا ایک اور اہم معیار ایمان اور نیک اعمال ہیں۔ قرآن کریم کے مطابق جس طرح "بینا" اور "نابینا" برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح جو لوگ ایمان لاتے ہیں

اور نیک اعمال کرتے ہیں اور جو ان دو قیمتی عناصر سے محروم ہیں، وہ بھی برابر نہیں ہو سکتے: وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ (40:58) ترجمہ: "اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں ہو سکتے اور اسی طرح ایماندار اور نیکوکار اور بدکار بھی یکساں نہیں ہو سکتے مگر تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔"

2.7 دوسری حکمت عملی: قوم پرستی کی مثبت صلاحیتوں کو الٰہی مقاصد کے لیے استعمال کرنا

اگرچہ قرآن مجید متعدد مقامات پر قوم پرستی کے منفی اثرات پر روشنی ڈالتا ہے اور اسے مذموم قرار دیتا ہے، لیکن اس نے کئی مواقع پر الٰہی مقاصد کی تکمیل کے لیے قوم پرستی کے مثبت پہلوؤں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کا ایک اصول یہ ہے کہ قومی وابستگیوں کو اسی قوم کے افراد کی ہدایت کے لیے استعمال کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مختلف اقوام کی رہنمائی کے لیے انہی میں سے پیغمبر بھیجتا ہے اور اکثر اس نکتے کی طرف توجہ دلاتا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ (62:2) ترجمہ: "وہ (اللہ) وہی ہے جس نے اُمّی قوم میں انہیں میں سے ایک رسول (ص) بھیجا۔" حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ (7:59) ترجمہ: "بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔"

دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو ان کی قوم کا بھائی قرار دیتا ہے، جیسے حضرت ہودؑ کے بارے میں فرماتا ہے: وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُوداً (7:65) ترجمہ: "اور ہم نے (قومِ) عاد کی طرف ان کے (قومی) بھائی ہُود (علیہ السلام) کو (بھیجا)۔" تاکہ قوم پرستی کے مثبت پہلو سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا جا سکے کہ تم کو اپنے ہی درمیان کے ایک شخص اور اپنے قومی بھائی کی بات سننا ہے کسی غیر کی نہیں۔

قرآن کریم مبلغین سے چاہتا ہے کہ دینی علوم حاصل کرنے کے بعد اپنی قوم میں واپس جائیں تاکہ توحید کا پیغام اور دینی تعلیمات ان تک پہنچا سکیں۔ آباؤ اجداد کی پیروی جو قوم پرستی کا ایک مظہر ہے، اگرچہ عام طور پر قرآن و احادیث میں ناپسندیدہ قرار دی گئی ہے، لیکن اگر اس کی کوئی معقول وجہ ہو تو نہ صرف یہ کہ رہبران الٰہی کی نگاہ میں قابلِ مذمت نہیں بلکہ اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ حضرت علیؑ اپنے مشہور خط میں امام حسن مجتبیٰؑ کو نصیحت فرماتے ہیں: "زندگی کا طریقہ متعین کرتے وقت محض اپنی ذاتی رائے پر عمل کرنے کے بجائے، اپنے نیک گذشتہ آباؤ اجداد کے راستے پر چلو، کیونکہ انہوں نے غور و فکر کرنے کے بعد اپنا راستہ منتخب کیا تھا۔[17]

اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید قوم پرستی کے ان منفی پہلوؤں کو ناپسند کرتا ہے جو اپنی قوم کو برتر سمجھنے اور دوسری اقوام کے بارے میں غلط رائے قائم کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی قرآن یہ ہدایت بھی

دیتا ہے کہ قوم پرستی کے مثبت پہلوؤں کو اعلیٰ مقاصد جیسے ہدایت و تعلیم، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اور نیک کاموں میں باہمی تعاون کے لیے استعمال کیا جائے۔

بعض روایات میں تعصب (جو قومی و نسلی عصبیت کے معنی میں ہے) کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے: مثبت تعصب اور منفی تعصب۔ منفی تعصب سے مراد غیر منطقی اور بلاجواز شدید وابستگی ہے جو کبھی کم اہم اور کبھی بالکل بے وقعت اور فرضی امور سے ہوتی ہے، جبکہ مثبت تعصب سے مراد اعلیٰ انسانی و اخلاقی اقدار پر ڈٹ جانا ہے۔[18]

بعض علماء نے اسے "خدا کی راہ میں عصبیت" اور "باطل کے معاملے میں عصبیت" کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

امام زین العابدینؑ سے جب عصبیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؑ نے اس کی دو واضح اقسام بیان فرمائیں۔ آپؑ کے فرمان کے مطابق، مذموم عصبیت وہ ہے جب کوئی شخص اپنی قوم کے بدترین افراد کو دوسری قوم کے بہترین لوگوں سے بہتر سمجھے، جبکہ اپنی قوم سے محبت رکھنا فی نفسہٖ قابلِ مذمت نہیں۔ اصل عصبیت تو یہ ہے کہ انسان اپنی قوم کو ظلم میں مدد فراہم کرے۔

علامہ مجلسیؒ نے اپنی شرح میں اس حدیث کو انسانی فطرت سے جوڑتے ہوئے واضح کیا ہے کہ انسان کا اپنے خاندان، قوم اور قریبی لوگوں سے زیادہ محبت رکھنا اور انہیں زیادہ مالی تعاون دینا ایک فطری عمل ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں یہ رویہ نہ صرف قابلِ قبول ہے بلکہ بعض صورتوں میں پسندیدہ بھی ہے، خاص طور پر جب یہ صلہ رحم یا مومنین کی باہمی مدد کی شکل اختیار کرلے۔ البتہ، شریعت نے تین صورتوں میں عصبیت کو سختی سے ممنوع قرار دیا ہے:

- اول، جب یہ ظلم میں معاونت کی شکل اختیار کرے؛
- دوم، جب اپنی قوم سے ایسی خوبیاں منسوب کی جائیں جو درحقیقت ان میں موجود نہ ہوں؛
- سوم، جب باطل رسم و رواج یا غیر حقیقی فضائل پر فخر کیا جائے اور انہیں بنیاد بنا کر اپنی قوم کو دوسروں پر فوقیت دی جائے۔

یہ وہ خطرناک صورتیں ہیں جو معاشرے میں تفاخر اور تفریق کو جنم دیتی ہیں۔ امام علیؑ ایک حدیث میں لوگوں کو مثبت تعصب کی طرف راغب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: **إِنْ كُنْتُمْ لَا مَحَالَةَ مُتَعَصِّبِينَ فَتَعَصَّبُوا لِنُصْرَةِ الْحَقِّ وَ إِغَاثَةِ الْمَلْهُوفِ** "[19] یعنی: "اگر تمہیں لازماً تعصب کرنا ہی ہے تو پھر حق کی نصرت اور مظلوم کی مدد کے معاملے میں تعصب کرو۔" یعنی اگر تعصب سے بالکل باز نہیں رہ سکتے تو اس جذبے کو مثبت راستے میں موڑ دو۔ حق کے لیے کھڑے ہونے اور محتاجوں کی دستگیری کرنے میں اپنی جذباتی وابستگی کا اظہار کرو۔ حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ قاصعہ میں جاہلی تعصّبات کی مذمت کرتے ہوئے ایک نہایت حکیمانہ انداز اختیار فرمایا۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تعصب کا اظہار ناگزیر ہو تو اسے مثبت راستے میں موڑ دینا چاہیے۔ انسان کا تعصب

اخلاق حسنہ، نیک اعمال اور شائستہ امور کے لیے ہونا چاہیے، نہ کہ تنگ نظری اور جاہلیت کے لیے۔ اس کے بعد آپؑ نے عملی زندگی میں ان مثبت تعصّبات کی متعدد مثالیں بیان فرمائیں جن میں ہمسایوں کے حقوق کی پاسداری، عہد و پیمان کی پابندی، سخاوت و فیاضی کا مظاہرہ، ظلم و ستم سے اجتناب، ناحق خون بہانے سے پرہیز، عوام کے ساتھ انصاف، غصے پر قابو پانا اور زمین میں فساد سے باز رہنا جیسی اعلیٰ اقدار شامل ہیں۔ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنے جذبات کو مثبت سمت دے سکتا ہے اور معاشرے میں اصلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اس طریقے سے امامؑ اپنے پیروکاروں کو منفی تعصّبات سے نجات دلانے کے لیے مثبت تعصّبات کو متعارف کراتے ہیں، تاکہ ان کے جذباتی خلا کو پر کیا جاسکے اور ان کی اندرونی قوتوں کو مثبت کاموں کی طرف رہنمائی کی جاسکے۔

رہا یہ مسئلہ کہ تعصب کی مثبت اور منفی تعصب میں تقسیم کا معیار کیا ہے، اور ہم کن اعمال و خصوصیات کو "مثبت تعصب" کہیں اور کن کو "منفی تعصب"، تو امام خمینیؒ نے نیت، اغراض اور مقاصد کے فرق کو اس تقسیم کا معیار قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر نیت، اغراض اور مقاصد رحمانی اور حق پر مبنی ہوں تو یہ مثبت تعصب ہو گا، اور اگر مذکورہ عناصر شیطانی ہوں اور ان میں انسانی نفس کا عمل دخل ہو تو یہ منفی تعصب ہو گا۔[20]

چونکہ تعصب کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ دفاعی قوت کو بڑھاتا ہے، افراد کو مزاحمت پر اُبھارتا ہے اور معاشرے کو ناقابلِ دخالت بناتا ہے، لہٰذا اگر یہی تعصب حق اور درست راستے میں استعمال ہو تو انسانوں کو حق اور سماجی اقدار سے زیادہ وابستہ کر دیتا ہے۔ ابنِ خلدون سیاسی معاشرے کے وجود، اقتدار کے مرکزیت اختیار کرنے، حکومت کے استحکام، معاشرے کی سیاسی زندگی کے تسلسل نیز تہذیبوں کی بنیاد اور ادیان کے پھیلاؤ کو اسی تعصب سے وابستہ سمجھتے تھے۔[21]

8. مسلمانوں کی قومی شناخت کے عناصر

قرآن مجید کے ان طریقہ ہائے کار کو مدنظر رکھتے ہوئے جو ایک نئی قومی شناخت کی تشکیل کے لیے بیان کیے گئے ہیں، مسلمانوں کی قومی شناخت کے بنیادی عناصر درج ذیل دو چیزوں میں خلاصہ کیے جاسکتے ہیں:

8.1) فیصلہ سازی اور افکار و اعمال کو قبول کرنے میں حق کو معیار بنانا

قومی وابستگیاں انسان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہیں کہ وہ اپنی قوم کے افراد کے ہر نظریے اور عمل کو بلاچون وچرا قبول کر لے جبکہ دوسری اقوام کے افکار و اعمال کو یکسر غلط سمجھے۔ قرآن کریم حق اور حقیقت کے تصور کو پیش کرتے ہوئے مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ فیصلہ سازی اور افکار و اعمال کو قبول کرنے کے معاملے میں حق کو معیار بنائیں، چاہے یہ افکار و اعمال ان کی اپنی قوم کے افراد کی طرف سے ہوں یا دوسری اقوام کی طرف سے۔ ہر اس رائے اور عمل کو قبول کریں جو حق کے مطابق ہو، خواہ وہ دوسری اقوام کی طرف سے ہو، اور ہر اس رائے اور عمل کو رد کر دیں جو حق کے خلاف ہو۔

8.2) مومنوں کے ساتھ بھائی چارے کا جذبہ رکھنا

قرآن کریم ایک اور اہم عنصر جو نئی قومی شناخت کی تشکیل کے لیے پیش کرتا ہے، وہ مومنوں کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ ہے۔ قرآن کریم قومی وابستگیوں کو یکسر مسترد نہیں کرتا، بلکہ فرد کو ایک وسیع تر اجتماعی تشخص یعنی "امت" سے جوڑتا ہے اور اس کے اراکین کے درمیان اخوت کا تصور پیش کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (49:10) ترجمہ: "بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ نیا تصور اس موقع پر پیش کیا گیا جب دو گروہوں کے درمیان جنگ و قتال کی صورت حال تھی۔ یہ وہ صورت حال ہے جب قبائل اور اقوام جنگ بندی اور عمومی مصلحت پر توجہ دینے کے بجائے اپنی قومی و قبائلی شناخت کے حوالے سے زیادہ متعصب ہوتے ہیں، اپنے قومی و قبائلی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے گروہ کی برتری کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ خداوند عالم اس موقع پر فرماتا ہے: اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ رجوع کر لے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کراؤ اور عدل سے کام لو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد اسی اخوت کے تصور کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قدیم اختلافات کو ختم کرنے اور مہاجرین و انصار کے درمیان محبت و یگانگت قائم کرنے کے لیے برادرانہ معاہدہ قائم کیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے ایک ایسے معاشرے میں جہاں قبائل کے درمیان تنازعات اور قومی شناخت کے باطل تعصّبات ایک بڑا مسئلہ تھے، ایک متحد امت اور کامل معاشرہ تشکیل دیا۔[22]

قرآن کریم مسلمانوں کے درمیان اخوت کے تصور کے ذریعے قومی شناختوں کی بنیاد پر پیدا ہونے والے اختلافات کو روکتا ہے۔ لہٰذا قرآن کے نقطہ نظر سے، جو افراد اپنی قومی شناخت سے وابستہ ہیں وہ مسلمانوں کے اجتماعی پیکر سے الگ نہیں، بلکہ ایک وسیع تر اجتماع یعنی "امت" کا حصہ ہیں۔ چنانچہ انہیں دیگر مومنوں کو، چاہے وہ مختلف قومیتوں سے تعلق رکھتے ہوں، اپنا ایمانی بھائی سمجھنا چاہئے تاکہ وہ قومی شناخت کے منفی پہلوؤں پر قابو پا سکیں۔

9. نتیجہ

قرآن کریم قومی شناخت کو ایک فطری حقیقت تسلیم کرتے ہوئے نئی قومی شناخت کی تشکیل کے لیے دو اہم طریقہ کار پیش کرتا ہے: اولاً، قوم پرستی کے منفی پہلوؤں کی اصلاح کرنا جو انسانی افکار میں بنیادی تبدیلی سے ممکن ہے، اور ثانیاً قوم پرستی کی صلاحیتوں کو اعلیٰ اقدار کی خدمت میں استعمال کرنا۔ اس کے بعد قرآن مسلم اقوام کے لیے ایک جامع مرکب شناخت کا تصور پیش کرتا ہے جو دو بنیادی عناصر پر مشتمل ہے:

(1) حق کو فیصلہ سازی کا معیار بنانا اور

(2) دیگر مومنین کے ساتھ بھائی چارے کا جذبہ رکھنا۔

یہ عناصر مل کر قرآن کا پیش کردہ وہ متوازن قومی شناختی ماڈل تشکیل دیتے ہیں جو مسلمانوں کو ایک جامع اور ہمہ گیر شناخت فراہم کرتا ہے، جس میں قومی خصوصیات کو عالمی اسلامی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا گیا ہے۔

*****

References

---

1. Muhammad bn Mokram, Ibn Manzur, *lisan al-Arab*, Vol. 12, (Beirut, Dar al-Fikr Laltabaeh wa Eleneshar Valtozi, 1414), 499.

محمد بن مکرم، ابن منظور، *لسان العرب*، ج12، (بیروت، دارالفکر للطباعه والنشر والتوزیع، 1414)، 499۔

2. Ibn Faris, Ahmad ibn Faris, *Mu'jam Maqa'is al-Lughah*, Vol. 5, (Qum, Daftar Tablyghat Islami Hozah Alamyyeh, 1363 SH), 43.

ابن فارس، احمد بن فارس، *معجم مقاییس اللغه*، ج5، (قم، دفتر تبلیغات اسلامی حوزه علمیه، 1363 ہجری شمسی)، 43۔

3. Smith, Anthony, *Menabe Gumi Nasionalism*, Faslnameh Motaliat Rehbardi, Dorah Awal, No.1, (1998): 186.

اسمتھ، اینتھونی، منابع قومی ناسیونالیسم، *فصلنامه مطالعات راهبردی*، دوره اول، پیش شماره1، (1998): 186۔

4. Bilbasi, Meisam, *Ahavit Meli dar Asnad Faradasti Jamehori Islami Iran*, (Qum, Pajooshgah Aloom wa Fareang Islami, 1397 SH.), 92.

بلباسی، میثم، *هویت ملی در اسناد فرادستی جمهوری اسلامی ایران*، (قم، پژوهشگاه علوم وفرہنگ اسلامی، 1397 ہجری شمسی)، 92۔

5. Maurice Waite; *Sara Hawker, Oxford dictionary and thesaurus* (New York, Oxford University Press, 2009) 452.

6. Jenkins, Richard, *Ahavit Ejtemaei*, Tarjmeha: Torj Yar Ahmadi, (Tehran, Nishar Shirazeh, 1381 SH.), 48.

جنکینز، رچرڈ، *هویت اجتماعی*، ترجمہ: تورج یاراحمدی، (تہران، نشر شیرازہ، 1381)، 48۔

7. Tajfel, H. Socail, *Identity and Intergroup Relations*, (Cambridge, Cambridge University Press, 2010), 18.

8. John Moen, wa Michelle Minor, *Raftar Masraf Konandeh*, Tarjmeh: Haidar Zadah, Kambiz, (Tehran, Moseseh Ketab meharban Nash, 1393SH), 511.

جان موون، و میشل مینور، رفتار مصرف کنندہ، ترجمہ: حیدر زادہ، کامبیز، (تہران، موسسہ کتاب مہربان نش، 1393 ہجری شمسی)، 511۔

9. Giddens, Anthony, *Sociology*, (Tehran: Ney Publishing, 2008 AH) 278

گیڈنز، اینتھونی، جامعہ شناسی، (تہران، نشرنی، 1387 ہجری شمسی) 278۔

10. Ibid, 281.

ایضاً، 281۔

11. Ibn Manzur, *lisan al-Arab*, Vol. 1, 380.

ابن منظور، لسان العرب، ج1، 380۔

12. Muhammad Ibn Yaqub, kulani, *Al-Kafi*, Vol. 2, (Tehran, Dar al-Islamiyah, 1407 AH.), 308.

محمد بن یعقوب، کلینی، الکافی، ج2، (تہران، دارالاسلامیہ، 1407)، 308۔

13 . Makarem Shirazi, Naser wa Digaran, *Piam Imam Amiral Momenin(as)*, Vol. 9, (Qum, Moseseh Tanzeem wa Nishar Asar Hazrat Ayatullah Ulozmah Makarem Shirazi, 1397 SH.), 62.

مکارم شیرازی، ناصر و دیگران، پیام امام امیر المومنین (ع)، ج 9، (قم، موسسہ تنظیم و نشر آثار حضرت آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی، 1397)، 62۔

14. Ruhollah Mousavi, Khomeini, *Sharha Cheel Hadis*, (Tehran, Moseseh Tanzeem wa Nishar Asar Imam khomeini, 1371 SH.), 145-146.

روح اللہ موسوی، خمینی، شرح چہل حدیث، (تہران، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، 1371 ہجری شمسی)، 145-146۔

15. Muhammad Hussain, Tabataba'i, *Al-Mizan Fi Tafseer Al-Quran*, Vol. 10 (Beirut, Moseseh Al-Almi Lalmotboat, 1390 SH), 133.

محمد حسین، طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج10 (بیروت، موسسہ الاعلمی للمطبوعات، 1390ھ.ق)، 133۔

16. Syed Qutab, *Fi Zolal Al-Qur'an*, Vol. 6, Chap: 35 (Beirot, Dar al-Sharouq, 1425 AH), 348; Muhammad Hussain, Fazlullah, *Man Wahi Al-Qur'an*, Vol. 21 (Beirot, Darul Malak, 1419 AH), 159.

سید قطب، فی ظلال القرآن، ج6، چاپ 35 (بیروت، دار الشروق، 1425 ق)، 348؛ محمد حسین، فضل اللہ، من وحی القرآن، ج21 (بیروت، دارالملاک، 1419)، 159۔

17. Syed Muhammad, Razi, *Nahjul-Balagha*, Tarjamah wa Hawashi: Mufti Jafar Hussain, (Lahor, Al-Maraj Company, 2003), Letter 31.

سید محمد، رضی، نہج البلاغہ، ترجمہ و حواشی: مفتی جعفر حسین، (لاہور، المعراج کمپنی، نومبر 2003)، خط 31۔

18. Naser Makaram, Shirazi and others, *Piam Imam Amir al-Mu'minin (a.s)*, Vol. 9 (Qum, Moseseh Tanzeem wa Nishar Asaar Hazrat Ayatullah ul-Uzma Makaram Shirazi, 1397 SH), 164.

ناصر مکارم، شیرازی و دیگران، پیام امام امیرالمومنین (ع)، ج9 (قم، موسسہ تنظیم و نشر آثار حضرت آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی، 1397 ہجری شمسی)، 164۔

19. Ali bn Muhammad bn Abi Nizar Liathai, Wasiti, *Auyun Al-Hukm wa al-Mawaeiz (Liathai)*, (Qum, Musisat Darul Hadith Al-Almiat Wal-Saqhafiat, 1418AH), 163, Raqam Al-Hadith 471.

علی بن محمد بن ابی نزار لیثی، واسطی، عیون الحکم والمواعظ (للیثی)، (قم، موسسۃ دارالحدیث العلمیۃ والثقافیۃ، 1418ق)، 163، رقم الحدیث 3471۔

20. Ruhollah Mousavi, Khomeini, Sharha Cheel Hadith, (Tehran, Moseseh Tanzeem wa Nishar Asar Imam Khumani, 1371 SH), 146.

روح اللہ موسوی، خمینی، شرح چہل حدیث، (تہران، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، 1371 ہجری شمسی)، 146۔

21. Ibn Khaldun, Mokadamah, Tarjmeh: Genabadi, Parween, Vol. 1 (Teḥran, Elmi wa Farḥnegi, 1382 SH), 242.

ابن خلدون، مقدمہ، ترجمہ: گنابادی، پروین، ج1 (تہران، علمی و فرہنگی، 1382 ہجری شمسی)، 242۔

22. Syed Jafar Murtaza, Amili, Al-Sahih Man Sireh Al-Nabi al-Azam (PBUH), Vol. 5 (Qum, Dar al-Hadith, 1385 SH), 112-113; Jafar, Subhani, Forough Abdiyat, (Qum, Mosesteh Bostan Kitab, 1385 SH), 446.

سید جعفر مرتضی، عاملی، الصحیح من سیرہ النبی الاعظم (ص)، ج5 (قم، دارالحدیث، 1385 ہجری شمسی)، 112-113